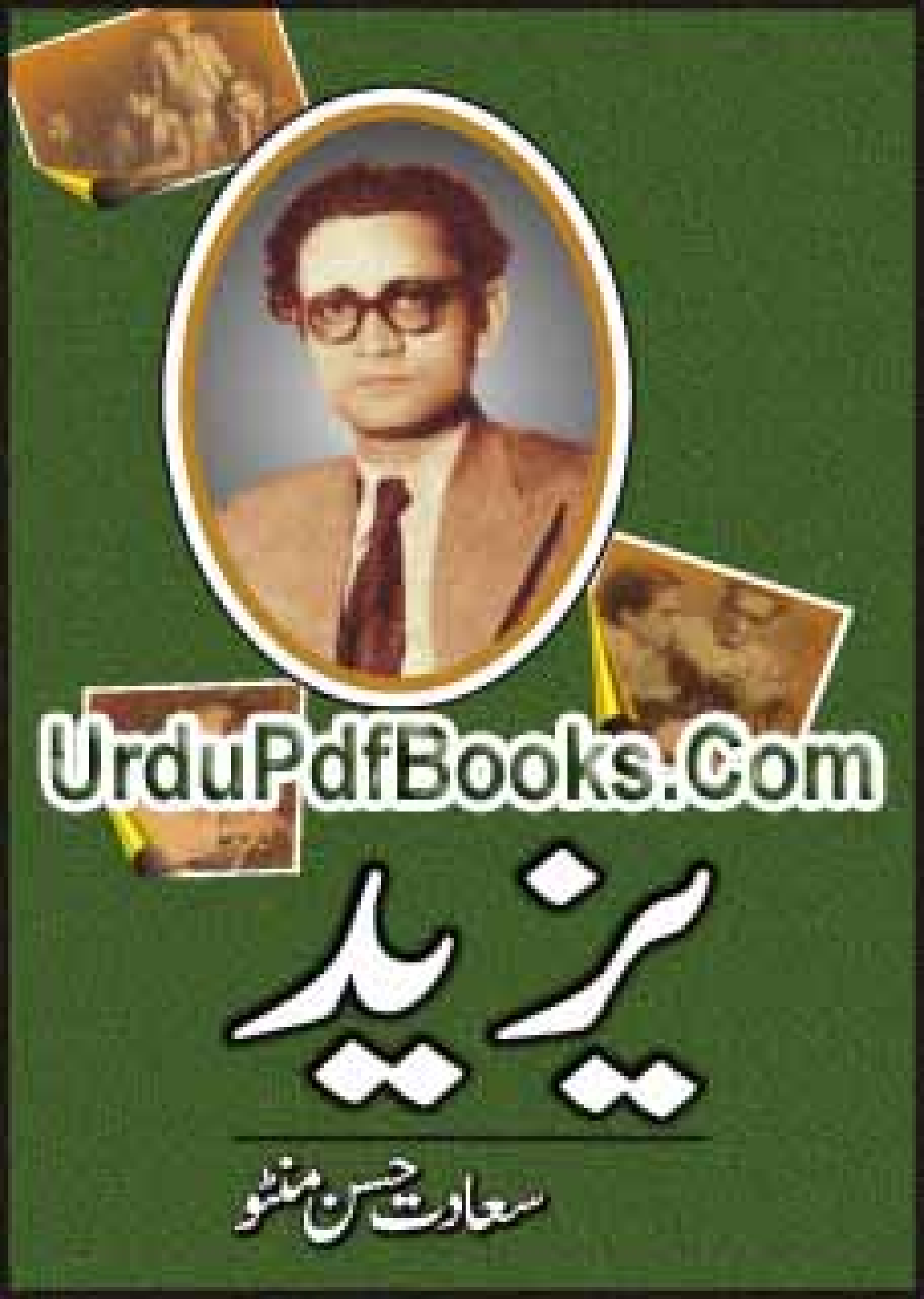

UrduPdfBooks.Com

یزید

سعادت حسن منٹو

یزید

سن سینتالیس کے ہنگامے آئے اور گزر گئے۔ بالکل اسی طرح جس طرح موسم میں خلاف معمول چند دن خراب آئیں اور چلے جائیں۔ یہ نہیں کہ کریم داد مولا کی مرضی سمجھ کر خاموش بیٹھا رہا۔ اس نے اس طوفان کا مردانہ وار مقابلہ کیا تھا۔ مخالف قوتوں کے ساتھ وہ کئی بار بھڑا تھا۔ شکست دینے کے لیے نہیں صرف مقابلہ کرنے کے لیے۔ اس کو معلوم تھا کہ دشمنوں کی طاقت بہت زیادہ ہے۔ مگر ہتھیار ڈال دینا وہ اپنی ہی نہیں ہر مرد کی توہین سمجھتا تھا۔ سچ پوچھیے تو اس کے متعلق یہ صرف دوسروں کا خیال تھا ان کا جنہوں نے اسے وحشی نما انسانوں سے بڑی جاں بازی سے لڑتے دیکھا تھا۔ ورنہ اگر کریم داد سے اس بارے میں پوچھا جاتا کہ مخالف قوتوں کے مقابلے میں ہتھیار ڈالنا کیا وہ اپنی یا مرد کی توہین سمجھتا ہے۔ وہ یقیناً سوچ میں پڑ جاتا۔ جیسے آپ نے اس سے حساب کا کوئی بہت ہی مشکل سوال کر دیا ہے۔

کریم داد جمع تفریق اور ضرب تقسیم سے بالکل بے نیاز تھا۔ سن سینتالیس کے ہنگامے آئے اور گزر گئے۔ لوگوں نے بیٹھ کر حساب لگانا شروع کیا کہ کتنا جانی نقصان ہوا ہے کتنا مالی مگر کریم داد اس سے بالکل الگ تھلگ رہا۔ اس کو صرف اتنا معلوم تھا کہ اس کا باپ رحیم داد اس جنگ میں کام آیا ہے۔ اس کی لاش خود کریم داد نے اپنے کندھوں پر اٹھائی تھی اور ایک کنوئیں کے پاس گڑھا کھود کر دفنائی تھی۔

گاؤں میں اور بھی کئی وارداتیں ہوئی تھیں۔ سینکڑوں جوان اور بوڑھے قتل

ہوئے تھے کئی لڑکیاں غائب ہوئی تھیں ۔ کچھ کہ بہت ظالمانہ طریقے سے بے آبروئی ہوئی تھی۔ کس کے بھی یہ زخ آئے تھے روتا تھا۔ اپنے پھوٹے نصیبوں اور دشمنوں کی بے رحمی پر مگر کریم داد کی آنکھ سے ایک آنسو بھی نہ نکلا۔ اپنے باپ رحیم داد کی شہہ زوری پر اسے ناز تھا جب وہ پچیس تیس برچھیوں اور کلہاڑیوں سے مسلح بلوائیوں کا مقابلہ کرتے کرتے نڈھال ہو کر گر پڑا تھا اور کریم داد کو اس کی موت کی خبر ملی تو اس نے اس کی روح کو مخاطب کر کے صرف اتنا کہا تھا ''یار تم نے یہ ٹھیک نہ کیا۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ ایک ہتھیار اپنے پاس ضرور رکھا کرو''۔

اور اس نے رحیم داد کی لاش اٹھا کر کنوئیں کے پاس گھڑا کھود کر دفنا دی تھی اور اس کے پاس کھڑے ہو کر فاتحہ کے طور پر صرف یہ چند الفاظ کہے تھے ''گناہ ثواب کا حساب خدا جانتا ہے اچھا تجھے بہشت نصیب ہو''۔

رحیم داد جو نہ صرف اس کا باپ تھا بلکہ ایک بہت بڑا دوست بھی تھا بلوائیوں نے بڑی بے دردی سے قتل کیا تھا۔ لوگ جب اس کی افسوس ناک کا ذکر کرتے تھے تو قاتلوں کو بڑی گالیاں دیتے تھے مگر کریم داد خاموش رہتا تھا۔ اس کی کئی کھری فصلیں تباہ ہو گئی تھیں۔ دو مکان جل کر راکھ ہو گئے تھے۔ مگر اس نے اپنے ان نقصانوں کا کبھی حساب نہیں لگایا تھا۔ وہ کبھی کبھی صرف اتنا کہا کرتا تھا ''جو کچھ ہوا ہماری اپنی غلطی سے ہوا ہے''۔ اور جب کوئی اس سے اس غلطی کے متعلق استفسار کرتا تو وہ خاموش رہتا۔

گاؤں کے لوگ ابھی سوگ میں مصروف تھے کہ کریم داد نے شادی کر لی۔ اسی مُیار جیناں ے ساتھ جس پر ایک عرصے سے اس کی نگاہ تھی۔ جیناں سوگوار تھی۔

اس کا شہتیر جیسا کڑیل جوان بھائی بلووں میں مارا گیا تھا۔ ماں باپ کی موت کے بعد ایک صرف وہی اس کا سہارا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جیناں کو کریم داد سے بے پناہ محبت تھی مگر بھائی کی موت کے غم نے یہ محبت اس کے دل میں سیاہ پوش کر دی تھی اب ہر وقت اس کی سدا مسکراتی آنکھیں نمناک رہتی تھیں۔

کریم داد کو رونے دھونے سے بہت چڑ تھی۔ وہ جیناں کو جب بھی سوگ زدہ حالت میں دیکھتا تو دل ہی دل میں بہت کڑھتا۔ مگر وہ اس سے اس بارے میں کچھ کہتا نہیں تھا۔ یہ سوچ کر کہ عورت ذات ہے۔ ممکن ہے اس کے دل کو اور زیادہ دکھ پہنچے مگر اس روز اس سے رہا نہ گیا۔ کھیت میں اس نے جیناں کو پکڑ لیا اور کہا.....

''مردوں کو کفنائے دفنائے پورا ایک سال ہو گیا ہے اب تو وہ بھی اس سوگ سے گھبرا گئے ہوں گے..... چھوڑ میری جان! ابھی زندگی میں جانے اور کتنی موتیں دیکھنی ہیں۔ کچھ آنسو تو اپنی آنکھوں میں جمع رہنے دے''۔

جیناں کو اس کی یہ باتیں بہت ناگوار معلوم ہوتی تھیں۔ مگر وہ اس سے محبت کرتی تھی اس لیے اکیلے میں اس نے کئی گھنٹے سوچ سوچ کر اس کی باتوں میں معنی پیدا کیے اور آخر خود کو یہ سمجھنے پر آمادہ کر لیا کہ کریم داد جو کچھ کہتا ہے ٹھیک ہے۔

شادی کا سوال آیا تو بڑے بوڑھوں نے مخالفت کی مگر یہ مخالفت بہت ہی کمزور تھی۔ وہ لوگ سوگ منا منا کر اتنے نحیف ہو گئے تھے کہ ایسے معاملوں میں سو فیصدی کامیاب ہونے والی مخالفتوں پر بھی زیادہ دیر تک نہ جمے رہ سکے..... چنانچہ کریم داد کا بیاہ ہو گیا۔ باجے گاجے آئے ہر رسم ادا ہوئی اور کریم داد اپنی محبوبہ جیناں کو دلہن بنا کر گھر لے آیا۔

فسادات کے بعد قریب قریب ایک برس سے سارا گاؤں قبرستان سا بنا تھا۔ جب کریم داد کی برات چلی اور خوب دھوم دھڑ کا ہوا تو گاؤں کے کئی آدمی سہم گئے ۔ان کو ایسا محسوس ہوا کہ یہ کریم داد کی نہیں کسی بھوت پریت کی برات ہے۔ کریم داد کے دوستوں نے جب اس کو یہ بات بتائی تو وہ خوب ہنسا۔ ہنستے ہنستے ہی اس نے ایک روز اس کا ذکر اپنی نئی نویلی دلہن سے کیا تو وہ ڈر کے مارے کانپ اٹھی۔

کریم داد نے جیناں کی سوہے چوڑے والی کلائی اپنے ہاتھ میں لی اور کہا ''یہ بھوت تو اب ساری عمر تمہارے ساتھ چمٹا رہے گا..... رحمان سائیں کی جھاڑ پھونک بھی اتار نہیں سکے گی''۔

جیناں نے اپنی مہندی میں رچی ہوئی انگلی دانتوں تلے دبا کر اور ذرا شرما کر صرف اتنا کہا ''کیے تجھ کو کسی سے بھی ڈر نہیں لگتا''۔

کریم داد نے اپنی ہلکی ہلکی سیاہی مائل بھوری مونچھوں پر زبان کی نوک پھیری اور مسکرا دیا..... ''ڈر بھی کوئی لگنے کی چیز ہے''؟

جیناں کا غم اب بہت حد تک دور ہو چکا تھا۔ وہ ماں بننے والی تھی۔ کریم داد کی جوانی کا نکھار دیکھتا تو بہت خوش ہوتا اور جیناں سے کہتا ''خدا کی قسم جیناں تو پہلے کبھی اتنی خوبصورت نہیں تھی۔ اگر تو اتنی خوبصورت اپنے ہونے والے بچے کے لیے بنی ہے تو میری اس سے لڑائی ہو جائے گی''۔

یہ سن کر جیناں شرما کر اپنا ٹھلیا سا پیٹ چادر میں چھپا لیتی کریم داد ہنستا اور اسے چھیڑتا ''چھپاتی کیوں ہو اس چور کو..... میں کیا جانتا نہیں کہ یہ سب بناؤ سنگھار صرف تم نے اسی سور کے بچے کے لیے کیا ہے''۔

جیناں ایک دم سنجیدہ ہو جاتی ''کیوں گالی دیتے ہو اپنے کو؟''

کریم داد کی سیاہی مائل مونچھیں ہنسی سے تھرتھرانے لگتیں ''کریم داد بہت بڑا سور ہے''۔

چھوٹی عید آئی۔ بڑی عید آئی۔ کریم داد نے یہ دونوں تہوار بڑے ٹھاٹ سے منائے۔ بڑی عید سے بارہ روز پہلے اس کے گاؤں پر بلوائیوں نے حملہ کیا تھا اور اس کا باپ رحیم داد اور جیناں کا بھائی فضل الٰہی قتل ہوئے تھے جیناں ان دونوں کی موت کو یاد کر کے بہت روئی تھی مگر کریم داد کی صدموں کو یاد رکھنے والی طبیعت کی موجودگی میں اتنا غم نہ کر سکی جتنا اسے اپنی طبیعت کے مطابق کرنا چاہیے تھا۔

جیناں کبھی سوچتی تھی تو اس کو بڑا تعجب ہوتا تھا کہ وہ اتنی جلدی اپنی زندگی کا اتنا بڑا صدمہ کیسے بھولتی جا رہی ہے۔ ماں باپ کی موت تو اس کو قطعاً یاد نہیں تھی۔ فضل الٰہی اس سے چھ سال بڑا تھا۔ وہی اس کا باپ تھا وہی اس کی ماں اور وہی اس کا بھائی۔ جیناں اچھی طرح جانتی تھی کہ صرف اسی کی خاطر اس نے شادی نہیں کی اور یہ تو سارے گاؤں کو معلوم تھا کہ جیناں ہی کی عصمت بچانے کے لیے اس نے اپنی جان دی تھی۔ اس کی موت جیناں کی زندگی کا یقیناً بہت ہی بڑا حادثہ تھا۔ ایک قیامت تھی جو بڑی عید سے ٹھیک بارہ روز پہلے اس پر یکایک ٹوٹ پڑی تھی۔ اب وہ اس کے بارے میں سوچتی تھی تو اس کو بڑی حیرت ہوتی تھی کہ وہ اس کے اثرات سے کتنی دور ہوتی جا رہی ہے۔

محرم قریب آیا تو جیناں نے کریم داد سے اپنی پہلی فرمائش کا اظہار کیا کہ اسے تعزیے دیکھنے کا بہت شوق ہے۔ اپنی سہیلیوں سے وہ ان کے متعلق بہت کچھ سن

چکی تھی۔ چنانچہ اس نے کریم داد سے کہا ''میں ٹھیک ہوئی تو لے چلو گے مجھے تعزیہ دکھانے؟''

کریم داد نے مسکرا کر جواب دیا ''تم ٹھیک نہ بھی ہوئیں تو بھی لے چلوں گا.....اس سور کے بچے کو بھی''۔

جیاں کو یہ گالی بہت ہی بری لگتی تھی چنانچہ وہ اکثر بگڑ جاتی تھی۔ مگر کریم داد کی گفتگو کا انداز کچھ ایسا پر خلوص تھا کہ جیناں کی تلخی فوراً ہی ایک ناقابل بیان مٹھاس میں تبدیل ہو جاتی تھی اور وہ سوچتی تھی کہ سور کے بچے میں کتنا پیار کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔

ہندوستان اور پاکستان کی جنگ کی افواہیں ایک عرصے سے اڑ رہی تھیں۔ اصل میں تو پاکستان بنتے ہی یہ بات گویا ایک طور پر طے ہو گئی تھی کہ جنگ ہو گی۔ اور ضرور ہو گی۔ کب ہو گی اس کے متعلق گاؤں میں کسی کو بھی معلوم نہیں تھا۔ کریم داد سے جب کوئی اس کے متعلق سوال کرتا تو وہ یہ مختصر سا جواب دیتا ''جب ہونی ہو گی ہو جائے گی فضول سوچنے سے کیا فائدہ!''

جیناں جب اس ہونے والی لڑائی بھڑائی کے متعلق سنتی تو اس کے اوسان خطا ہو جاتے تھے۔ وہ طبعاً بہت ہی امن پسند تھی۔ معمولی تو تو میں میں سے بھی سخت گھبراتی تھی۔ اس کے علاوہ گزشتہ بلووں میں اس نے کئی کشت وخون دیکھے تھے اور انہیں میں اس کا پیارا بھائی فضل الٰہی کام آیا تھا۔ بے حد سہم کر وہ کریم داد سے اتنا کہتی ''کیسے کیا ہو گا''؟

کریم داد مسکرا دیتا ''مجھے کیا معلوم لڑکا ہو گا یا لڑکی؟''

یہ سن کر جیناں بہت ہی زچ ہوتی مگر فوراً ہی کریم داد کی دوسری باتوں میں لگ کر ہونے والی جنگ کے متعلق سب کچھ بھول جاتی۔ کریم داد طاقتور تھا نڈر تھا جیناں سے اسکو بے حد محبت تھی۔ بندوق خریدنے کے بعد وہ تھوڑے ہی عرصے میں نشانے کا بہت پکا ہو گیا تھا۔ یہ سب باتیں جیناں کو حوصلہ دلاتی تھیں۔ مگر اس کے باوجود تنہائیوں میں جب وہ اپنی کسی خوف زدہ ہمجولی سے جنگ کے بارے میں گاؤں کے آدمیوں کی اڑائی ہوئی ہولناک افواہیں سنتی تو ایک دم سن سی ہو جاتی۔

بختو دائی جو ہر روز جیناں کو دیکھنے آتی تھی ایک دن یہ خبر لائی کہ ہندوستان والے دریا بند کرنے والے ہیں۔ جیناں اس کا مطلب نہ سمجھی۔ وضاحت کے لیے اس نے بختو دائی سے پوچھا ''دریا بند کرنے والے ہیں؟ یہ کون سے دریا بند کرنے والے ہیں؟''

بختو دائی نے جواب دیا ''وہ جو ہمارے کھیتوں کو پانی دیتے ہیں''۔

جیناں نے کچھ دیر سوچا اور ہنس کر کہا ''موسی کیا تم بھی پاگلوں کی سی باتیں کرتی ہو دریا کون بند کر سکتا ہے وہ بھی کوئی موریاں ہیں''۔

بختو نے جیناں کے پیٹ پر ہولے ہولے مالش کرتے ہوئے کہا۔

''بی بی مجھے معلوم نہیں جو کچھ میں نے سنا تھا تمہیں بتا دیا یہ بات اب تو اخباروں میں بھی آ گئی ہے''۔

''کون سی بات؟'' جیناں کو یقین نہیں آتا تھا۔

بختو نے اپنے جھریوں والے ہاتھ سے جیناں کا پیٹ ٹٹولتے ہوئے کہا ''یہ

دریا بند کرنے والی'' پھر اس نے جیناں کے پیٹ پر اس کی قمیص کھینچی اور اٹھ کر بڑے ماہرانہ انداز میں کہا ''اللہ خیر رکھے بچہ آج سے پورے دس روز کے بعد ہو جانا چاہیے''۔

کریم داد گھر آیات سب سے پہلے جیناں نے اس سے دریاؤں کے متعلق پوچھا اس نے پہلے بات ٹالنی چاہی پر جب جیناں نے کئی بار اپنا سوال دہرایا تو کریم داد نے کہا ہاں کچھ ایسا ہی سنا ہے''۔

جیناں نے پوچھا ''کیا؟''

''یہی کہ ہندوستان والے ہمارے دریا بند کر دیں گے''۔

''کیوں؟''

کریم داد نے جواب دیا کہ ہماری فصلیں تباہ ہو جائیں۔

یہ سن کر جیناں کو یقین ہو گیا کہ دریا بند کیے جا سکتے ہیں چنانچہ نہایت بے چارگی کے عالم میں اس نے صرف اتنا کہا ''کتنے ظالم ہیں یہ لوگ''۔

کریم داد اس دفعہ کچھ دیر کے بعد مسکرایا ''ہٹاؤ اس کو یہ بتاؤ موسی بختو آئی تھی''۔

جیناں نے بے دلی سے جواب دیا..... ''آئی تھی''۔

''کیا کہتی تھی؟''

''کہتی تھی آج سے پورے دس روز کے بعد بچہ ہو جائے گا''۔

کریم داد نے زور کا نعرہ لگایا ''زندہ باد''۔

جیناں نے اسے پسند نہ کیا اور بڑبڑائی ''تمہیں خوشی سوجھتی ہے جانے یہاں

کیسی بلا آنے والی ہے"۔

کریم داد چوپال چلا گیا۔ وہاں قریب قریب سب مرد جمع تھے چودھری نتھو کو گھیرے اس سے دریا بند کرنے والی خبر کے متعلق باتیں پوچھ رہے تھے۔ کوئی پنڈت نہرو کو پیٹ بھر کے گالیاں دے رہا تھا۔ کوئی بد دعائیں مانگ رہا تھا کوئی یہ ماننے ہی سے یکسر منکر تھا کہ دریاؤں کا رخ بدلا جا سکتا ہے۔

کچھ ایسے بھی تھے جن کا یہ خیال تھا کہ جو کچھ ہونے والا ہے وہ ہمارے گناہوں کی سزا ہے۔ اسے ٹالنے کے لیے سب سے بہت طریقہ یہی ہے کہ مل کر مسجد میں دعا مانگی جائے۔

کریم داد ایک کونے میں بیٹھا خاموش سنتا رہا۔ ہندوستان والوں کو گالیاں دینے میں چودھری نتھو سب سے پیش پیش تھا۔ کریم داد کچھ اس طرح سے بار بار اپنی نشست بدل رہا تھا جیسے اسے بہت کوفت ہو رہی ہے۔ سب بیک زبان ہو کر یہ کہہ رہے تھے کہ دریا بند کرنا بہت ہی اوچھا ہتھیار ہے۔ انتہائی کمینہ پن ہے۔ رزالت ہے۔ عظیم ترین ظلم ہے۔ بدترین گناہ ہے یزید پن ہے۔

کریم داد دو تین مرتبہ اس طرح کھانسا جیسے وہ کچھ کہنے کے لیے خود کو تیار کر رہا ہے۔ چودھری نتھو کے منہ سے جب ایک اور لہر موٹی موٹی گالیوں کی اٹھی تو کریم داد چیخ پڑا "گالی نہ دے چودھری کسی کو"۔

ماں کی ایک بہت بڑی گالی چودھری نتھو کے حلق میں پھنسی کی پھنسی رہ گئی اس نے پلٹ کر ایک عجیب انداز سے کریم کی طرف دیکھا جو سر پر اپنا صافہ ٹھیک کر رہا تھا "کیا کہا؟"

کریم داد نے آہستہ مگر مضبوط آواز میں کہا ''میں نے کہا گالی نہ دے کسی کو''۔

حلق میں پھنسی ہوئی ماں کی گالی بڑے زور سے باہر نکال کر چودھری نتھو نے بڑے تیکھے لہجے میں کریم داد سے کہا ''کسی کو؟ کیا لگتے ہیں وہ تمہارے؟'' اس کے بعد وہ چوپال میں جمع شدہ آدمیوں سے مخاطب ہوا ''سنا تم لوگوں نے..... کہتا ہے گالی نہ دو کسی کو..... پوچھو اس سے وہ کیا لگتے ہیں اس کے؟''۔

کریم داد نے بڑے تحمل سے جواب دیا ''میرے کیا لگتے ہیں؟ میرے دشمن لگتے ہیں''۔

چودھری کے حلق سے پھٹا پھٹا سا قہقہہ بلند ہوا۔ اس قدر زور سے کہ اس کی مونچھوں کے بال بکھر گئے۔ ''سنا تم لوگوں نے دشمن لگتے ہیں..... اور دشمن کو پیار کرنا چاہیے کیوں برخوردار''۔

کریم داد نے بڑے برخوردارانہ انداز میں جواب دیا ''نہیں چودھری..... میں یہ نہیں کہتا کہ پیار کرنا چاہیے۔ میں نے صرف یہ کہا ہے کہ گالی نہیں دینی چاہیے''۔

کریم داد کے ساتھ ہی اس کا لنگوٹیا دوست میراں بخش بیٹھا تھا۔ اس نے پوچھا ''کیوں؟''

کریم داد صرف میراں بخش سے مخاطب ہوا ''کیا فائدہ ہے یار..... وہ پانی بند کر کے تمہاری زمینوں کو بنجر بنانا چاہتے ہیں۔ اور تم انہیں گالی دے کر یہ سمجھتے ہو کہ حساب بے باق ہوا۔ یہ کہاں کی عقل مندی ہے۔ گالی تو اس وقت دی جاتی ہے جب اور کوئی جواب پاس نہ ہو''۔

میراں بخش نے پوچھا ''تمہارے پاس کوئی جواب موجود ہے؟''

کریم داد نے تھوڑے توقف کے بعد کہا ''سوال میرا نہیں ہزاروں اور لاکھوں آدمیوں کا ہے۔ اکیلا میرا جواب سب کا جواب نہیں ہوسکتا..... ایسے معاملوں میں سوچ سمجھ کر ہی کوئی پختہ جواب تیار کیا جا سکتا ہے..... وہ ایک دن میں دریاؤں کا رخ نہیں بدل سکتے۔ سال لگیں گے لیکن یہاں تو تم لوگ گالیاں دے کر ایک منٹ میں اپنی بھڑاس نکال باہر کر رہے ہو''۔ پھر اس نے میراں بخش کے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور بڑے خلوص کے ساتھ کہا ''میں تو اتنا جانتا ہوں یار کہ ہندوستان کو کمینہ رذیل اور ظالم کہنا بھی غلط ہے''۔

میراں بخش کی بجائے چودھری نتھو چلایا ''لو اور سنو''۔

کریم داد میراں بخش ہی سب سے مخاطب رہا ''دشمن سے میرے بھائی رحم و کرم کی توقع رکھنا بے وقوفی ہے۔ لڑائی شروع ہو اور یہ رونا رویا جائے کہ دشمن بڑے بور کی رائفلیں استعمال کر رہا ہے ہم چھوٹے بم گراتے ہیں وہ بڑے گراتا ہے۔ تم اپنے ایمان سے کہو یہ شکایت بھی کوئی شکایت ہے چھوٹا چاقو بھی مارنے کے لیے استعمال ہوتا ہے اور بڑا چاقو بھی..... کیا میں جھوٹ کہتا ہوں''۔

میراں بخش کی بجائے چودھری نتھو نے سوچنا شروع کیا۔ مگر فوراً ہی جھنجھلا گیا۔

''لیکن سوال یہ ہے کہ وہ پانی بند کر رہے ہیں..... ہمیں بھوکا پیاسا مارنا چاہتے ہیں''۔

کریم داد نے میراں بخش کے کاندھے سے اپنا ہاتھ علیحدہ کیا اور چودھری نتھو سے مخاطب ہوا ''چودھری جب کسی کو دشمن کہہ دیا تو پھر یہ گلہ کیسا کہ وہ ہمیں بھوکا

پیاسا مارنا چاہتا ہے۔ وہ تمہیں بھوکا پیاسا نہیں مارے گا۔ تمہاری ہری بھری زمینیں ویران اور بنجر نہیں بنائے گا تو کیا وہ تمہارے لیے پلاؤ کی دیگیں اور شربت کے مٹکے وہاں سے بھیجے گا تمہاری سیر تفریح کے لیے یہاں باغ بغیچے لگائے گا''۔

چودھری نتھو بھنا گیا۔ ''یہ تو کیا بکواس کر رہا ہے؟''

میراں بخش نے ہولے سے کریم داد سے پوچھا ''ہاں یار یہ کیا بکواس ہے؟''

'' بکواس نہیں ہے میراں بخشا'' کریم داد نے سمجھانے کے انداز میں میراں بخش سے کہا ''تو ذرا سوچ تو سہی کہ لڑائی میں دونوں فریق ایک دوسرے کو پچھاڑنے کے لیے کیا کچھ نہیں کرتے پہلوان جب لنگر لنگوٹ کس کے اکھاڑے میں اتر آئے تو اسے ہر داؤ استعمال کرنے کا حق ہوتا ہے''۔

میراں بخش نے اپنا گھٹا ہوا سر ہلایا ''یہ تو ٹھیک ہے''۔

کریم داد مسکرایا ''تو پھر دریا بند کرنا بھی ٹھیک ہے۔ ہمارے لیے یہ ظلم ہے مگر ان کے لیے روا ہے''۔

''روا کیا ہے..... جب تیری جیب پیاس کے مارے لٹک کر زمین تک آ جائے گی تو میں پھر پوچھوں گا کہ ظلم روا ہے یا نا روا..... جب تیرے بال بچے اناج کے ایک ایک دانے کو ترسیں گے تو پھر بھی یہی کہنا کہ دریا بند کرنا بالکل ٹھیک تھا''۔

کریم داد نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری اور کہا ''میں جب بھی یہی کہوں گا چودھری..... تم یہ کیوں بھول جاتے ہو کہ صرف ہو ہمارا دشمن نہیں ہے کیا ہم اس کے دشمن نہیں۔ اگر ہمارے اختیار میں ہوتا تو ہم نے بھی اس کا دانہ پانی بند کیا ہوتا..... لیکن اب کہ وہ کر سکتا ہے اور کرنے والا ہے تو ہم ضرور اس کا کوئی توڑ

سوچیں گے..... بیکار گالیاں دینے سے کیا ہوتا ہے..... دشمن تمہارے لیے دودھ کی نہریں جاری نہیں کرے گا چودھری نتھو..... اس سے ہو سکا تو وہ تمہارے پانی کی ہر بوند میں زہر ملا دے گا تم اسے ظلم کہو گے وحشیانہ پن کہو گے اس لیے کہ مارنے کا یہ طریقہ تمہیں پسند نہیں..... عجیب سی بات ہے کہ لڑائی شروع کرنے سے پہلے دشمن سے نکاح کی سی شرطیں پڑھوائی جائیں..... اس سے کہا جائے کہ دیکھو مجھے بھوکا پیاسا نہ مارنا بندوق سے اور وہ بھی اتنے بور کی بندوق سے البتہ تم مجھے شوق سے ہلاک کر سکتے ہو۔ اصل بکواس تو یہ ہے..... ذرا ٹھنڈے دل سے سوچو"۔

چودھری نتھو جھنجھلاہٹ کی آخری حد تک پہنچ گیا "برف لا کے رکھ میرے دل پر"۔

"یہ بھی میں ہی لاؤں" یہ کہہ کر کریم داد ہنسا۔ میاں بخش کے کاندھے پر تھپکی دے کر اٹھا اور چوپال سے چلا گیا۔

گھر کی ڈیوڑھی میں داخل ہو ہی رہا تھا کہ اندر سے بختو دائی نکلی۔ کریم داد کو دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر پوپلی مسکراہٹ پیدا ہوئی.....

مبارک ہو کیسے چاند سا بیٹا ہوا ہے اب کوئی اچھا سا نام سوچ اس کا"۔

"نام؟" کریم داد نے ایک لحظے کے لیے سوچا "یزید..... یزید!"

بختو دائی کا منہ حیرت سے کھلا کا کھلا رہ گیا۔ کریم داد نعرے لگاتا گھر میں داخل ہوا۔ جیناں چارپائی پر لیٹی تھی۔ پہلے سے کسی قدر زرد اس کے پہلو میں ایک گل گوتھنا سا بچہ چیڑ چیڑ اپنا انگوٹھا چوس رہا تھا۔ کریم داد نے اس کی طرف پیار بھری نظروں سے دیکھا اور اس کے گال کو ایک انگلی سے چھیڑتے ہوئے کہا "اوئے

PDF LIBRARY
0333-7412793

میرے یزید!''

جیناں کے منہ سے ہلکی سی متعجب چیخ نکلی ''یزید؟''

کریم داد نے غور سے اپنے بیٹے کا ناک نقشہ دیکھتے ہوئے کہا ''ہاں یزید..... یہ اس کا نام ہے''۔

جیناں کی آواز بہت نحیف ہوگئی ''یہ تم کیا کہہ رہے ہو کیمے..... یزید؟''

کری داد مسکرایا ''کیا ہے اس میں؟ نام ہی تو ہے؟''

جیناں صرف اس قدر کہہ سکی ''مگر کس کا نام؟''

کریم داد نے سنجیدگی سے جواب دیا ''ضروری نہیں کہ یہ بھی وہی یزید ہو..... اس نے دریا کا پانی بند کیا تھا..... یہ کھولے گا!''

۱۴ اکتوبر ۱۹۵۱ء

☆☆☆